ماہنامہ

نئی دہلی

منادی

بارگاہِ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی کا



ایڈیٹر
خواجہ حسن ثانی نظامی

معاون مدیر
خواجہ سید مہدی نظامی

منادیا ینادی للایمان

بارگاہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء

محبوب الٰہیؒ سے ایمان اور امن کی ندا دینے والا

اور ان کے جانشین

امام المشائخ شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کی یادگار

منادی

ماہنامہ — نئی دھلی

درگاہ شریف اور منادی کے بارے میں خط وکتابت کرنے اور قیمت جمع کرانے کا پتہ:
خواجہ حسن ثانی نظامی
ڈاکخانہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳

سالانہ قیمت	پندرہ ۱۵ روپے
غیر ممالک سے	تین ۳ پونڈ
فی پرچہ	ایک روپیہ ۵۰ پیسے

منادی ۱۹۲۶ء سے جاری ہے یہ باسٹھویں ۶۲ جلد (۱۹۸۶ء) کا گیارھواں ۱۱ شمارہ ہے

سرخ لکیر

عنوان کے پیچھے ایک سرخ لکیر کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی ادا کردہ منادی کی قیمت اس شمارے سے ختم ہوگئی اور دو لکیروں کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ شمارے سے ختم ہوجائے گی جلد منی آرڈر کے ذریعہ قیمت بھیج کر ممنون فرمایئے یا دی پی کی اجازت دیجیے۔ وی پی میں آپ کے تین روپے پچیس پیسے زائد خرچ ہوں گے۔

(مینیجر)

فہرست

ملفوظات سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہیؒ	۲	خواجہ حسن ثانی نظامی
حافظ شیرازی اور تصوف	۴	صاحبزادہ مسعود انور علوی کاکوروی

پرنٹر پبلشر خواجہ حسن ثانی نظامی نے خواجہ پریس جامع مسجد دہلی سے چھپوا کر درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳ سے شائع کیا

انتخاب فوائد الفواد

ملفوظات سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی رح

تلخیص و ترجمہ ـــــــــ حسن ثانی نظامی

منت اور نعمت سے پہلے شکرانہ [1]

(حضرت ؒ نے) حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ شمس دبیر شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں نظم لے کر آئے۔ شیخ کی تعریف میں طویل نظم تھی۔ انھوں نے اجازت چاہی کہ نظم پڑھیں۔ شیخ طیب اللہ ثراہ نے فرمایا کہ پڑھو۔ شمس دبیر نے کھڑے ہو کر قصیدہ پڑھا۔ جب پڑھ چکے تو شیخ نے بیٹھنے کا حکم دیا۔ جب وہ بیٹھ گئے تو حکم دیا۔ پھر پڑھو۔ شمس نے دوبارہ پڑھا۔ اس کے بعد شیخ قدس سرہ العزیز نے اس کے ہر شعر کا بیان فرمایا اور بعض جگہ اصلاح دی اور تعریف فرمائی۔ چنانچہ شمس کا دل خوش ہوگیا۔

اس درمیان حضرت ؒ نے فرمایا کہ مشائخ شعر بہت کم سنتے ہیں خاص طور پر اپنی مدح کے اشعار۔ شیخ کے احوال کا کمال دیکھو کہ سنا اور تعریف فرمائی۔ الغرض شعر سننے کے بعد پوچھا کہ تمہیں کیا چاہیے؟ شمس بولے تنگ دستی ہے۔ بوڑھی ماں ہیں ان کی دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے۔ شیخ نے فرمایا۔

"جاؤ شکرانہ لاؤ!"

حضرت خواجہ (نظام الدین اولیاء) نے فرمایا کہ جس کام میں شیخ الاسلام کسی سے یہ کہہ دیتے تھے کہ جاؤ شکرانہ لاؤ۔ وہ کام لازمی طور پر پورا ہو جاتا تھا۔ الغرض شمس گئے اور چند جیتل (سکے) لے آئے۔ کم و بیش پچاس جیتل تھے۔ شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے ارشاد فرمایا کہ انھیں تقسیم کر دیا جائے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ تقسیم ہوئی تو چار درم مجھے بھی ملے۔ پھر شیخ نے فاتحہ پڑھی۔ شمس کے ہاں روزی میں کشادگی ہوگئی۔ اور صاحب جائیداد بن گیا۔ اور سلطان غیاث الدین کے بیٹے کا دبیر مقرر ہوا۔ لیکن جب اس کا روزگار بن گیا تو اگرچہ کہ حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ العزیز انتقال فرما چکے تھے۔ ان کے فرزندوں اور اہل بیت کی خدمت کی توفیق اس کو نہ ہوئی۔ یا تو اسے احساس ہی نہ ہوا یا کسی نے اسے بتایا نہیں [2]

---

[1] اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں (نعمت میں) اضافہ کروں گا۔ صوفیہ کے ہاں اسی آیت کی روشنی میں نعمت سے پہلے شکرانہ پیش کرنے کا رواج ہوا۔ آج کل بھی جو اہل دل ہیں وہ شکرانہ پیش کرنے کے لیے منت کے پورا ہونے کا انتظار نہیں کرتے۔ کام ہونے سے پہلے ہی شکرگذار بندے بن جاتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ ہمارا

کام ضرور پورا کرائے گا اور اگر تمہارا کام نہ بھی ہوا تو اسی میں تمہاری بہتری ہوگی۔

ستہ شکرانہ نعمت سے پہلے بھی لازم ہے اور بعد میں بھی۔ اگر دعا کرنے والا انتقال کر چکا ہو تو اس کے بچوں کی خدمت کرنی چاہیے۔ پیرزادگان کی خدمت اسی اصول سے کی جاتی ہے۔ اس سے شیخ مزید مہربان ہوتا ہے۔ حضرت بندہ نواز گیسو دراز نے فرمایا ہے کہ میں پاک پٹن شریف حاضر ہوا اور حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی اولاد کی خدمت خاطر خواہ نہ کی تو حضرت بابا صاحبؒ کی توجہ بھی کم پائی۔ اس کے بعد دوبارہ حاضر ہوا اور بابا صاحبؒ کی کی اولاد کی خدمت اچھی طرح کی تو بابا صاحبؒ کی توجہ بھی زیادہ پائی۔ درود شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کی آل پاک کا نام لینا بھی دراصل اللہ کے ساتھ ساتھ خود جناب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشنودی کا باعث ہوتا ہے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا ہے کہ اگر تم کسی سید کی عزت اس کے علم و فضل اور نیکی کی وجہ سے کرتے ہو تو یہ عزت علم و فضل اور نیکی کی ہوتی ہے۔ بات تو جب ہے کہ سید جیسا بھی ہو اس کی عزت محض اس وجہ سے کی جائے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یادگار اور اولاد ہے۔ یعنی عزت و احترام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت اور تعلق کا ہونا چاہیے۔ پیرزادے بھی اپنے باپ اور جد کی وجہ سے سر آنکھوں پر بٹھائے جاتے ہیں۔

حافظ شیرازی اور تصوف

صاحبزادہ مسعود انور علوی کاکوروی استاد شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

کلام حافظ کی یہ امتیازی خصوصیت بلکہ اعجاز ہے کہ اس سے دنیادار، دین دار، رند قدح خوار، صوفی، عارف صاحب حال وقال سبھی یکساں طور پر لطف اندوز ہوتے رہے ہیں۔ صاحبانِ صدق وصفا کی محفلیں حافظ کی زمزمہ سرائی سے اسی طرح گونجتی رہی ہیں جس طرح رندانِ بلانوش کی مجلسیں گرم رہتی ہیں۔ ان کے کلام میں بیشترِ صوفی شعرا کی طرح جابجا تصوف جاری و ساری ہے۔ اس کے رموز ونکات اور حقائق و معارف کا بیان ہے۔ انھوں نے ارباب ذوق وشاہد کا نام ساقی، بادہ فروش اور رند وغیرہ رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے کلام میں میکدہ، خرابات، پیر مغاں، مغبچہ، کنشت، شاہد، مے، معشوق اور اسی قسم کے دوسرے الفاظ اپنے اصطلاحی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ اگر ہم ان اصطلاحات کو ذہن میں رکھتے ہوئے ان کے کلام کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت ہم پر منکشف ہو جاتی ہے کہ انھوں نے تصوف کے حقائق و معارف اور اسرار کائنات کو ایسی خوبصورتی سے عام فہم اور بلیغ انداز میں پیش کیا ہے کہ ایک دنیادار رند بلانوش بھی اس کے ظاہری معنی سمجھ کر اس سے اسی طرح حظ اٹھا سکتا ہے جس طرح ایک صاحبِ حال و مقام صوفی اس کے حقیقی معنوں کو سمجھ کر لطف اندوز ہوتا رہتا ہے۔ حافظ کا یہ بڑا اعجاز ہے کہ وہ ذہن کی مختلف سطحوں پر یکساں طور سے اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ شاہدانِ عشوہ گر بھی اس سے مبرا نہیں سے[1]

بہ شعرِ حافظ شیراز می رقصند و می نازند
سیہ چشمانِ کشمیری و ترکانِ سمرقندی

کلام حافظ کے بعض شارحین افراط و تفریط کے دو گروہوں میں منقسم ہو گئے ہیں۔ ایک طبقہ کا کہنا ہے کہ حافظ کے کلام میں تصوف سے ہی نہیں۔ وہ کسی بھی صورت میں انھیں صاحب حال و مقام صوفی ماننے پر تیار نہیں ہیں۔ دوسرا گروہ ان کے ہر شعر میں تصوف اور اس کے اسرار و رموز ثابت کرنے پر مصر ہے۔

ان کے کلام میں معاشی مسائل بھی ہیں، زمانہ اور اس کی دلفریبیوں کا بھی بیان ہے اور سماجی تقاضوں کی عکاسی بھی ہے۔

ہمیں اس افراط و تفریط سے بحث نہیں ہے لیکن یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ ان کے کلام کا مطالعہ اگر صوفیانہ نقطہ نظر سے کیا جائے تو اس میں تمام تو نہیں لیکن معتد بہ اشعار ایسے ملیں گے جن میں تصوف کی بھرپور ترجمانی کی گئی ہے۔ انھوں نے شراب کے لوازم میں میکدہ، جام، سبو، شیشہ، صراحی، خمار، مطرب، صہبا، صبوحی جیسے دیگر الفاظ کے ذریعہ تصوف کے مسائل اور اس کے رموز و نکات کا بیان کیا ہے۔

جو حضرات اس خیال سے یکسر اختلاف رائے

---

[1] دیوان حافظ - محمد قزوینی و دکتر قاسم غنی - کتاب خانہ زوّار - چاپ، سینا تہران - ص: ۳۰۷

رکھتے ہیں کہ حافظ کے کلام میں تصوف نہیں ہے یا وہ ایک صاحبِ مقام عارف نہ تھے ان سے لسان الغیب خود مخاطب ہیں ؎

قدرِ مجموعۂ گل مرغِ سحر داند و بس[1]
کہ نہ ہر کو ورقے خواند معانی دانست

مندرجہ ذیل سطور میں ان کے کلام میں مسائل تصوف کے مختصر بیان کے بعد ان کی ایک غزل کے چند اشعار کی تشریح تصوف کے نقطۂ نظر سے کی گئی ہے۔

صوفیہ کے نزدیک کتابوں، مدرسوں نیز خارجی چیزوں کے مطالعہ سے علم حاصل نہیں ہوتا ہے۔ کم از کم وہ علم جسے وہ علم کہتے ہیں۔ مولانا روم کے یہاں اس کی توثیق ہوتی ہے۔

اَیُّھَا الْقَوْمُ الَّذِیْ فِیْ مَدْرَسَۃ
کُلُّ مَا حَصَّلْتُمُوْہُ وَسْوَسَہ

(لوگو! تم نے مدرسہ میں جو کچھ حاصل کیا ہے وہ بجز شیطانی وسوسوں کے اور کچھ نہیں)

صوفیہ کا علم تزکیہ و تصفیہ سے حاصل ہوتا ہے ان کے یہاں جب ایک عرصہ تک خاص طریقے سے قلب پر توجہ اور مواظبت کی جاتی ہے تو وہ عنایتِ الٰہی سے خود بخود ادراکات و احساسات کا سرچشمہ اور علوم و معارف کا مخزن بن جاتا ہے۔ اسے وہ اسرار و رموز حاصل ہو جاتے ہیں جہاں بڑے بڑے کتابی علوم کے ماہر اور عاقل و دانا بھی نہیں پہنچتے۔

حافظ نے اسی علم لدنی کے بارے میں کیا خوب کہا ہے ؎

بپیر جام کہ عارف سالک بہ کس نگفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید[2]

عارف و صوفی کا یہ علم لدنی ایک فیضان کی طرح قلب سے پھوٹتا ہے۔ یہ اشعار دیکھیے

دیدمش خرم و خنداں قدحِ بادہ بدست
و اندر آں آئینہ صد گونہ تماشا می کرد
گفتم ایں جامِ جہاں بیں بتو کے داد حکیم
گفت آں روز کہ ایں گنبدِ مینا می کرد[3]

حافظ نے ان اشعار میں دراصل عارف کی اس کیفیت کا بیان کیا ہے جس اس پر طرح طرح کے انوار و تجلیات اور اسرار فائض ہوتے ہیں۔ وہ حقیقۃ الحقائق کا مشاہدہ کرتا ہے جس سے اس پر ایک قسم کی سرمستی اور کیف و سرور کا عالم طاری ہو جاتا ہے روح کلی، روح جاری بھی ہے اور روح ازلی بھی، یہ جسم انسانی میں روح مقیم کے نام سے پہچانی جاتی ہے اور تخلیق آفرینش کے ساتھ ہی عالم سے وجود میں لائی گئی اس لیے حافظ نے کہا ہے ع

گفت آں روز کہ ایں گنبدِ مینا می کرد

انسان اپنے علم سے اسلام تو حاصل کر سکتا ہے لیکن ایمان تک اس کی رسائی بغیر عرفان کے ممکن نہیں اور عرفان حاصل کرنے کے لیے علم کا فنا ہونا ضروری ہے لہٰذا حصول عرفان عنایتِ بے سبب کا رہینِ منت ہے حافظ اپنے ان اشعار میں اسی عرفانی مسرت کا اظہار کرتے ہیں ؎

ساقی بنور بادہ برافروز جامِ ما
مطرب بگو کہ کارِ جہاں شد بکامِ ما
ما در پیالہ عکسِ رخِ یار دیدہ ایم
اے بے خبر ز لذتِ شربِ مدامِ ما[4]

ان اشعار کے ظاہری اور مجازی معنوں کے علاوہ وہ حقیقی معنی بھی توجہ طلب ہیں جو … ماورائے انسانی

[1] دیوان مصدر سابق : ۳۴
[2] دیوان حافظ مصدر سابق : ۱۶۴
[3] دیوان : ۹۶
[4] دیوان : ۹

ساقی ہے اور اقہات اسمائے[1] کے ساتوں رنگ نور بادہ ہیں۔ یہ نور جام یعنی حافظ کے جسم میں جگمگایا تو انھوں نے مطرب یعنی اپنے اسم کلیم سے شہادت طلب کی کہ بمصداق " وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ " الخ سارے جہاں کی عبادت میری عبادت ہے کیونکہ میں نے پیالہ یعنی اپنے جسم میں رخ یار یعنی شعاع ذاتی کے مقام کو دیکھا ہے اور صنعت یہ ہے کہ پیالہ میں دیکھنے سے اپنا ہی عکس نظر آتا ہے۔ لہٰذا میرا وجہ وجہ اللہ ہے۔ آخری مصرع میں انھوں نے بے خبروں کو یہ خبر دے کر فیض رحیمی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ذات باری تعالیٰ ہی حقیقت مطلق اور وہ حسن مطلق ہے جو تمام کائنات میں جاری و ساری ہے۔ صوفیہ کے نزدیک چوں کہ تمام مظاہر فطرت اور انسان اور تمام مجازی مظاہرات حسن ازل اور حقیقت ابدی کا پرتو ہیں اس وجہ سے تمام مخلوق خدا سے محبت عین حق سے محبت ہے۔ جب فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ کی روشنی میں جلوہ حق ہر جگہ ہے۔ تو پھر کعبہ و بت خانہ میں فرق ہی کیا ہے۔ حافظ کہتے ہیں سہ

در عشق خانقاہ و خرابات فرق نیست
ہر جا کہ ہست پرتو روئے حبیب ہست[2]

صوفیہ کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ عبادت و ریاضت کو جنت و جہنم کے تصور سے بالا ہو کر کرنا چاہیے یعنی نہ اس خیال سے اطاعت و فرماں برداری اور عبادت و ریاضت پہ کمربستہ ہوا جائے کہ اس کے طفیل اور اجر میں جنت ملے گی۔ محرمات سے صرف اس بنا پر بچے اور ہوس پرستیوں سے اس وجہ سے کنارہ کش رہے کہ اس کے بدلے میں جنت میں حور عط سے ہم آغوش ہوگا، نیز گناہوں اور نافرمانیوں سے محض اس خیال کے تحت دامن بچائے کہ ان کے ارتکاب پر دوزخ میں عذاب الیم سے دوچار ہوگا ہرگز صحیح نہیں۔

عارف رومیؒ فرماتے ہیں سہ

بہر یزداں می زید نے بہر گنج
بہر یزداں می مرد نہ خوف و رنج
ترک کفرش ہم برائے حق بود
نہ ز بیم آں کہ در آتش شود

بلکہ حق کی عبادت اور فرماں برداری صرف اس خیال کے پیش نظر کرے کہ حق مطلوب ہے نہ کہ حور و قصور اور اس کی نافرمانیوں اور گناہوں سے اس لیے کنارہ کش ہو جائے کہ یہ اس کی رضا کے منافی ہیں، یہی اصل بندگی اور عبودیت ہے۔

صحبت حور نہ خواہم کہ بود عین قصور
با خیال تو اگر با دگرے پردازم[3]
تو بندگی چو گدایاں بہ شرط مزد مکن
کہ دوست خود روش بندہ پروری داند[4]

[1] روح انسانی سات اسماء سے مرکب ہے۔ اسم حی ان تمام اعضائے انسانی پر ساری و طاری ہے جو سانس لینے سے متاثر ہوتے ہیں۔ اسم مرید، جگر اس کے متعلقہ اعضا اور اعضائے تولید پر، اسم قدیر دل اور اس سے متعلقہ رگوں اور شریانوں پر، اسم علیم، اعضائے دماغی پر، اسم بصیر دید انسانی سے متعلقہ اعضاء پر، اسم سمیع سماعت انسانی اور اسم کلیم کلام انسانی سے متعلقہ اعضاء پر ساری و طاری ہے۔

اللہ اسم ذات ہے اس کا شہود ان سات اسماء میں اسی طور پر ہوا جس طرح آفتاب کی شعاع کسی شیشہ کے ٹکڑے پر پڑ کر سات رنگوں میں منقسم ہو جاتی ہے۔ گویا یہ ساتوں اسماء شعاع ذاتی سے پیدا ہونے والے سات رنگ ہیں اور یہ جوہر ذاتی ساتوں اسماء کا جامع ہے کیونکہ جس مرکز سے یہ سات رنگ پیدا ہوئے وہ شعاع ذاتی کا مقام ہے۔

[2] دیوان : ۴۴۴
[3] دیوان حافظ : ۲۳۰
[4] دیوان : ۱۲۰

مقصود اصلی کے حصول کے لیے کوشش و پیہم جد و جہد اور معشوق حقیقی کے وصال کے واسطے مسلسل سختیوں اور پریشانیوں کو جھیلنے سے ہی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ سالک جب اس راہ میں قدم رکھتا ہے تو اسے مختلف قسم کی رکاوٹیں پیش آتی ہیں۔ ہوا و ہوس اور نفس و شیطان مزاحم ہوتے ہیں جو اسے اس کی مقصد براری سے روکنے اور دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حافظ اسے متنبہ کرتے ہوئے اور اس راہ کی دشوار گزاری کو بیان کرتے ہوئے اسے مجنون کی ثابت قدمی، طلب بافت، استقامت، عزم کی بلندی اور ارادہ کی پختگی کی مثال دیتے ہیں ؎

در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست بہ جاں
شرطِ اول قدم آنست کہ مجنوں باشی!

رضا بالقضا تصوف کا ایک مقام ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ عالم میں جو کچھ خیر و شر، نیک و بد ہے وہ سب ذات باری تعالیٰ کے حکم سے جو فاعل حقیقی ہے، ہوتا ہے۔ لہٰذا عبودیت کا تقاضا یہ ہے کہ چوں و چرا، شکوہ و شکایت اور گلہ وجود کا دفتر باز نہ کرے۔ ذات باری جو معشوق ہے اس کا قہر و غضب بھی عاشق کے لیے روح افزا اور جاں نواز ہے۔ اس خیال کو اس انداز میں پیش کرتے ہیں ؎

بہ دُرد و صاف ترا حکم نیست خوش درکش
کہ ہرچہ ساقیِ ما کرد عین الطاف است ـه

صوفیائے کرام کے یہاں مَنْ کَانَ فِی هٰذِهٖ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی کا مطلب یہ ہے کہ جو عالم ناسوت میں دیدار محبوب سے مشرف نہ ہو سکا اور کور چشم رہا وہ اس عالم میں بھی کور چشم رہے گا۔

ہر کہ روئے یار در دنیا نہ دید
او نہ بیند ہم در عقبیٰ اے مرید

ـه دیوان : ۳۳۱

ـه دیوان : ۳۲

حافظ بڑے والہانہ انداز میں اور جذبات کی شدت سے مجبور ہو کر ملتجی ہیں کہ اس عالم فانی کے ختم ہونے سے پہلے ہی مجھے معرفت کا وہ جام عطا ہو کہ میں سرمست و مدہوش ہو کر ماسوا کو بھول جاؤں ؎

زاں پیشتر کہ عالم فانی شود خراب
ما را ز جام بادۂ گلگوں خراب کن ـه

ایک غزل کے چند اشعار کا مختصراً تجزیہ پیش ہے۔

در سرائے مغاں رُفتہ بود و آب زدہ
نشستہ پیر و صلائے بہ شیخ و شاب زدہ ـه

مغ کے معنی باری تعالیٰ کے اسما و صفات کے وہ تقاضے ہیں جو احدیت ـه میں خلق کیے گئے۔ یہی تقاضے انائے حق کے پرتو ہیں اور ظلمت ذات میں ہیں۔ ان کے علمی اشکال واحدیت ـه میں ظاہر ہو کر اعیان ثابتہ ـه کہلاتے ہیں۔ یہ اعیان ثانیہ مغبچہ ہیں۔ اور واحدیت سرائے مغاں ہے جس کے دروازہ پر جھاڑو دے کر پانی چھڑکا گیا ہے۔ یعنی (لا رطب ولا یابس اِلّا فی کتاب مبین) پیر یعنی رحمٰن نے وہاں بیٹھ کر شیخ و شاب کو آواز دی۔ جن اعیان ثابتہ کی نسبتیں ذاتی ہیں وہ شیخ ہیں اور جن کی صفاتی ہیں وہ شاب ہیں۔

سبو کشاں ہمہ در بندگیش بستہ کمر
ولے ز ترک کلہ چتر بر سحاب زدہ

ـه دیوان : ۲۷۳ — ـه دیوان : ۲۹۲-۲۹۱

ـه احدیت سے مراد اعتبار ذات بلا اسما و صفات ہے۔

ـه واحدیت سے مراد تفصیل اسما و صفات کے ساتھ مرتبہ ذات ہے۔

ـه حقائق عالم کی وہ صورتیں جو حضرت حق کے علم میں ہیں ان ہی کو حقائق الاشیا اور معلومات اور معدومات بھی کہتے ہیں۔ معلومات اس وجہ سے کہ حق تعالیٰ نے حقائق عالم کو اپنے علم میں معلوم کر لیا ہے اور معدومات اس بنا پر کہ اعیان نے صرف علم حق میں صورت اعتباری ہے نہ کہ ظاہر میں: ۱۲ منہ

یہی مغبچے احد سے فیض پاکر سبکدوش ہوئے اور رحمٰن کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس کی بندگی پر کربستہ ہو گئے۔ لیکن ان کی نگاہیں احدیت یا ہویت میں اپنی اپنی نسبتیں پر بھی لگی رہیں۔

شعاعِ جام و قدح نورِ ماہ پوشیدہ
عذارِ مغبچگان راہِ آفتاب زدہ

جام و قدح سے ان اعیانِ ثابتہ کے اشکال مراد ہیں جو نورِ جمال سے ملبوس ہیں۔ ان کے رخسار نورِ جلال سے تابناک ہیں یعنی وہ تجلی ذاتی سے معمور ہو گئے ہیں۔

گرفتہ ساغرِ عشرت فرشتہ رحمت
ز جرعہ بر رخِ حور و پری گلاب زدہ

رحمت خداوندی کا فرشتہ ساغرِ عشرت (لذتِ جذباتِ عشق) ہاتھ میں لے کر ان اعیانِ ثابتہ پر گلاب پاشی کر رہا ہے۔

ز شور و عربدہ شاہدانِ شیریں کار
شکر شکستہ، سمن ریختہ، رباب زدہ

رحمٰن کی آواز پر جب ان سب اعیانِ ثابتہ نے بیک وقت لبیک کہا تو ایسا دل آویز شور پیدا ہوا کہ اس کے سامنے آواز کی مٹھاس، پھولوں کی مہک اور رباب سے نکلنے والے نغموں کی لے مات ہو گئی۔

عروسِ بخت دراں حجلہ با ہزاراں ناز
شکستہ کسمہ و بر برگِ گل گلاب زدہ

عروسِ بخت سے وہ نسبتیں اور آثار مراد ہیں جو احدیت میں تعلق کیے گئے۔ یعنی اعیانِ ثابتہ کی جبینوں پہ وہ تحریر جو ان کے آثار سے متعلق ہے۔ ان کی قسمتیں کسمہ بن گئی ہیں اور ان کے ہونٹوں پہ ان کی نسبتوں کی مہک ہے۔ ہر عینِ ثابت کی عروسِ بخت اس کے ساتھ نمایاں ہے۔

سلام کردم و با من بہ روئے خنداں گفت
کہ اے خمار کش مفلسِ شراب زدہ

حافظ نے اپنے عروسِ بخت کو سلام کیا تو اس نے بڑی خوش روئی سے جواب دے کر کہا کہ اے خمار میں مبتلا مفلس شرابی۔

کہ ایں کند کہ تو کردی بہ ضعفِ ہمت و رائے
ز گنج خانہ شدہ خیمہ بر خراب زدہ

تو جو کچھ اپنی ہمت و رائے کے ضعف سے کر بیٹھا وہ کرنے کی بات نہ تھی یعنی تو گوشۂ ذات میں لاتعین کی حیثیت سے عافیت میں تھا تو نے اپنے ظہور کا تقاضا کیا اور تعین میں محبوس ہو کر کائنات کے خراب آباد میں ڈیرہ ڈالا۔

وصالِ دولتِ بیدار ترسمت نہ دہند
کہ خفتہ، تو در آغوشِ بختِ خواب زدہ

مجھے اندیشہ ہے کہ تجھے وصالِ ذات دوبارہ حاصل نہ ہو گا کیونکہ وہ لاتعین کے لیے ہے اور تو تعین میں محبوس ہو کر اپنے نصیب کی آغوش میں سو رہا ہے

بیا بہ میکدہ حافظ کہ بر تو عرضہ کنم
ہزار صف ز دعا ہائے مستجاب زدہ

مقطع میں حافظ کی عروسِ بخت نے ان کو جو بشارت دی اس کا بیان ہے۔ یعنی اے حافظ میکدۂ ذات میں آ۔ جہاں کسی کو اپنا ہوش نہیں اور ظلوماً جہولاً میں جا تو میں تجھ پر تمام تعینات کے ادراکات پیش کر دوں تاکہ تو اپنے تعین کو بھول کر دوبارہ لاتعین ہو جائے اور تجھے دولتِ بیدار دوبارہ حاصل ہو جائے۔